# احادیث کے مابین رفع تعارض کے مناہج: تکملہ فتح الملہم کا اختصاصی مطالعہ

**نثار احمد:** پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اسلامی و عربی علوم، سرگودھا یونیورسٹی

**ڈاکٹر محمد فیروز الدین شاہ کھگہ:** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامی و عربی علوم، سرگودھا یونیورسٹی

**Abstract:**

Mufti Muhammad Taqi Usmani (b. 1943 CE) a present-day renowned leading Muslim scholar whose research contribution includes a vast variety of different braches of sciences such as Tafsir, Hadith, Qur'anic Sciences, Fiqh (Islamic Jurisprudence), Banking and Economics and sufism. His magnum opus in the field of Hadith is known as "Takmalah Fath al-Mulhim" which is the completion of "Fath al-Mulhim" authored by Shykh al-Islam Shabbir Ahmad Usmani. In this Takmila, Mufti Taqi Usmani during the eighteen years of its editing, has prolifically described various academic debates while resolving the issues of divergences between the narrations. As he is an expert and consultant in classical and modern jurisprudential debates and has an authority in Fatwa, his astute and judicious instinct plays a pivotal role in settling the meanings of variant Ahadith In this article, an endeavor has been exercised to make special focus on the methodology adopted by Mufti Usmani in term of determining the coherence among the different narrations.

**Key Words:** Taqi Usmani, Hadith Methodology, Fath al-Mulhim, Resolution of Paradox, Hadith Interpretation.

مفتی محمد تقی عثمانی عہد حاضر کی معروف دینی شخصیت ہیں، آپ کی تحقیقی و علمی کاوشوں اور دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، علم حدیث میں صحیح مسلم کی شرح "تکملہ فتح الملہم" ایک شہرہ آفاق تالیف ہے جو آپ نے اٹھارہ برس کے طویل عرصے میں مرتب کی جس میں کثیر تعداد میں ایسے موضوع زیر بحث لائے جن سے صحیح مسلم اور اس کے علاوہ دوسری کتب احادیث، صحاح و مسانید لبریز ہیں۔ جن کے بارے جدید ثقافت، مغربی تہذیب اور جدید قوانین و تحقیقات کے اثر و نفوذ کی وجہ سے مختلف قسم کے سوالات و اعتراضات پیدا ہو گئے تھے، انہوں اس پر علمی بحث کی ہے اور پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کیا ہے، احادیث کے ضمن میں جن علمی ابحاث پر عرق ریزی کی گئی ہے ان میں ایک اہم موضوع "احادیث کے مابین رفع تعارض" ہے علم الحدیث میں مختلف روایات میں تطبیق دے کر رفع تعارض کرنا ایک مستقل علمی آزمائش ہے۔

احادیث کے مابین تعارض اور اس کا حل، علم اصولِ حدیث کی ان بنیادی مباحث میں شمار کیا جاتا ہے جس سے واقفیت حدیث کے طالب علم کے لیے از بس ضروری ہے،اس کے بغیر نہ تو انسان حدیث کے صحیح مفاہیم کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ ہی اس سے مسائل کا استنباط،اس علم کے اسی اہمیت کے پیش نظر محدثین عظام نے مختلف پہلوؤں پر محققانہ کام کیا، مستقل تصانیف منصۂ شہود پر آئیں اور شارحینِ حدیث نے بھی اپنی شرح کے دوران ایسے مقامات پر بہت محققانہ کلام فرمایا۔متعارض احادیث کے حل کے حوالے سے جن شارحین نے لکھا ہے ان میں مفتی تقی عثمانی[1] کا نام نمایاں دکھائی دیتا ہے۔زیر نظر مقالہ میں اس امر کا جائزہ مقصود ہے کہ مفتی محمد تقی عثمانی نے تکملہ فتح الملہم میں ان پیچیدہ ابحاث کو حل کرنے میں کن کن مناہج اور اسالیب کو اختیار کیا ہے۔

**رفع تعارض میں سابقہ شارحین کی آراء سے استفادہ اور فنی تطبیقات:**

بعض اوقات صحیح مسلم کی دو مختلف روایات کے رفع تعارض میں قرآن و سنت میں سے کوئی دلیل و برھان اور شواہد پیش نہیں کرتے بلکہ کسی شارح کا قولِ تطبیق درج کرنے کے بعد اپنی رائے کو پیش کرتے ہیں جیسا کہ باب تمنی كراهية الموت میں مختلف روایات سے واضح طور پر تمنائے موت سے نہی وارد ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت میں ہے:"قال لايتمنين احدكم الموت لتمنيته"[2] یعنی تم سے کوئی موت کی ہر گز تمنا نہ کرے۔ جب کہ اسی کے متصل باب من احب لقاء الله ، احب الله لقاء ه ومن كره لقاء الله ، كره الله لقاء الله کی تمام روایت جن کی تعبیر میں موت کی تمنا ہے کیونکہ درِ موت سے گزر کر ہی خالق حقیقی سے ملاقات ممکن ہے۔جیسا کہ عبادہ ابن صامتؓ کی روایت ہے:" ان نبی ﷺ قال من احب لقاء الله، احب الله لقاء ه، ومن كره لقاء الله ، كره الله لقاه"[3] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے ملنا پسند فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتے ہیں، دونوں ابواب کی روایات میں بظاہر تصادم ہے، پہلی روایات کا حاصل موت کی آروز کرنے سے منع کرنا ہے اور دوسری روایات کا مقصود تمنائے موت اور شوق موت ہے، صاحب تکملہ پہلے حافظ ابن حجرؒ کا قول پیش کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی محبت میں ملاقات کی تمنا کرنا موت کی تمنا میں داخل نہیں کیونکہ یہ تمنا موت کی تمنا کے بغیر بھی ممکن

ہے، جبکہ حیات مستمرہ میں تمنائے موت سے نہی وارد ہے۔ حق تعالیٰ کی ملاقات میں موت مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔ صاحب تکملہ حل تعارض اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

"قال العبد الضعيف عفا الله عنه : الذى يتلخص من الاحاديث وما قاله العلماء فى شرحها ان هنا ک حالتين ، الحالة الاولى: حالة الحياة المستمرة قبل حالة النزع وفى هذه الحالة يكره تمنى الموت ودعاؤه لضرردنيوى، أما الخوف الفتنة فى الدين فلابأس ، وفى هذه الحالة يمكن ان يحب الانسان لقاء الله تعالىٰ مع كراهيته الطبعية للموت ، فان محبة لقاء الله اما عقلية؛ واما طبعية لما يصحبة من نعيم الاخرة وذلک ممكن قطع النظر عما يتقدمه من أذى الموت المكروه طبعا وكذلک لوأحب المرء فى هذه الحالة أن يتأخر موته وتيأخر لقاء الله تعالىٰ لتتاح له فرصة اكثر لاصلاح أعماله وأخلاقه فلا بأس ايضا لأن سببه صحيح ومشروع"[4]

یعنی احادیث میں جس تمنا سے منع کیا گیا اس کا سبب دنیاوی غرض ہے فتنہ دین کی وجہ سے موت کی تمنا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ممکن ہے نزاع کی حالت میں حب لقاءاللہ کرنا موت کے لیے طبعی کراہت کیساتھ ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت میں موت کی تمنا کرنا عقلی اور طبعی طور پر آخرت کی نعمتوں میں سے ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے ایسا شخص دنیا میں اپنے اعمال اور اخلاق کی درستگی کی بھی فکر کرے گا۔ لہٰذا اصلاح اعمال کے سبب ہی موت کی تمنا کرنا صحیح ہے اور دوسری حالت نزع وجان کنی کی حالت میں جب انسان کے سامنے آخرت کی نعمتوں کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں اس حالت مخصوصہ میں موت کی تمنا نہیں بلکہ لقائے خداوند کی خواہش میں یہ محبت اور تمنا میں داخل نہیں ہے۔

اس بحث کو صاحب تکملہ کے افادات کی روشنی میں مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1. حوادثات زمانہ سے اور دنیاوی معاملات میں ضرر اور نااُمید کی وجہ سے ممنوع ہے۔
2. اللہ تعالیٰ کی محبت نعمت وعطیہ ہے اس کے حصول میں اعمال صالحہ اور درستگی اخلاق ممد ومعاون ہے ایسی حالت میں موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔

3. فتنہ دین کی وجہ سے موت کی تمنا جائز ہے۔

4. جان کنی کی حالت میں جب امور غیبیہ منکشف ہو جائیں، ایسی حالت مخصوصہ میں اصل تمنا اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور رضائے الٰہی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی نعمتیں ہیں، لہٰذا یہ موت کی تمنا میں داخل نہیں ہے۔

## ذاتی رائے اور اس کی ترجیح پر عقلی و نقلی توجیہات:

بعض اوقات رفع تعارض میں علماء کے اقوال پیش کرنے بعد ان میں سے کسی کو قبول نہیں کرتے اور اپنے جواب کو راجح قرار دیتے ہیں پھر اس پر عقلی و نقلی توجیہات پیش کرتے ہیں جیسا کہ باب النھی عن لعن الدواب وغیر ھا کی جملہ روایات میں لعنت کرنے سے ممانعت ہے اور بعض روایات میں آپ ﷺ سے لعنت کے لیے کہا گیا تو آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا جس طرح کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے :"قیل یا رسول اللہ ادع علی المشرکین ۔ قال انی لم ابعث لعا نا وانمابعثت رحمة"[5] آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مشرکین کے لیے بدعا فرمادیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں لعنت کرنے والا نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ہی مستقل باب من لعنه النبی ﷺ أوسبه أودعا علیه ، ولیس هو أهلا لذلک، کان له زکاۃوأجرا ورحمة کی روایات کثیرہ میں اسی قسم کا مضمون موجود ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اگر کسی پر لعنت یا بدعا کی ہے اور وہ اس کا مستحق نہیں تو اس کے لیے یہ بدعا پاکیزگی کا سبب بن جائے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے : "قال رسول الله ﷺ انما أنا بشر، فأیمارجل من المسلمین سببته أو لعنته أوجلدته ، فاجعلهاله زکاۃ ورحمة"[6] یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں انسان ہوں، پس مؤمنین میں سے کسی کو اگر گالی دوں یا لعنت کروں تو اللہ تعالیٰ اس کو مسلمان کے حق میں پاکیزگی اور رحمت والا بنا، پس ان دونوں ابواب کی روایات پر پیدا ہونے والے اشکالات کو علماء نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1. آپ ﷺ ظاہری احکام کے مکلف ہیں باطناً نہیں ممکن ہے کوئی شخص ظاہر میں مستحق ذم اور لعنت ہو اور آپ ﷺ نے اس پر بدعا کر دی ہو، لیکن باطن میں ایسا نہ ہو، پس ایسے شخص کے لیے آپ ﷺ نے لعنت اور بدعا کو رحمت اور پاکیزگی میں بدلنے کے لیے فرمایا ہو۔

2. آپ ﷺ کا مقصد لعنت بھیجنا نہ تھا" تربت یدک "یعنی تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں،"لا اشبع اللہ بطنک "تیرا پیٹ اللہ نہ بھرے، یہ کلمات عرب ہیں ان سے مقصود بدعا نہ تھا پھر بھی آپ ﷺ نے اس خوف سے کہیں قبول ہی نہ ہو جائیں تو متصل ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کر دی اے میرے اللہ میرے ان امور عادیہ کے الفاظ بھی میری اُمت کے لیے رحمت اور عطا والے بنادے۔[7]

ان توجیہات کے بعد صاحب تکملہ فرماتے ہے بندہ پر ان اشکال کا جواب ایک نئی جہت میں ظاہر ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی بددعا کو فقط مومنین کے لیے مشروط کیا ہے جیسا کہ جمیع روایات کے الفاظ سے ظاہر ہے اور اس سے مراد وہ آدمی ہے جو ذم اور سبّ کا مستحق ہے، لیکن عہد رسول ﷺ میں پہلی ہی چیز کو اختیار کیا گیا، ترک بددعا کو مسلمان کے حق میں افضل قرار دیا گیا اگرچہ وہ اس کا مستحق ہی کیوں نہ تھا، مستحق غضب کے ترک پر اس کو محمول کیا گیا، اسی لیے ایسی دعا کو رحمت اور پاکیزگی کیساتھ مشروط کیا گیا اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے آپ ﷺ نے احتیاط اور اُمت کی تعلیم کے لیے کہا ہو جیسا کہ روایات سے ثابت ہے آپ ﷺ ہر دن ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے، حالانکہ آپ ﷺ سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کا استغفار احتیاط اور اُمت کو درس دینے کے لیے تھا، بہر حال اس میں اُمت کے لیے ترغیب دی گئی کہ اپنی بددعا کو ایسے مشروط کریں، اس لیے کہ اگر وہ شخص گناہوں سے پاک ہے تو گناہوں سے معصوم پر زیادتی کیسے تصور کی جا سکتی ہے۔[8]

صاحب تکملہ کی رائے کا خلاصہ یہ ہے آپ ﷺ نے کسی کے لیے بددعا، لعنت اور گالی نہیں دی بلکہ آپ ﷺ کے طرز عمل سے مقصود اُمت کو تعلیم دینا ہے کہ وہ بددعا نہ کریں اور اگر کسی وجہ سے ایسے الفاظ صادر ہو جائیں تو اس کو انہی الفاظ سے مشروط کیا جائے تاکہ کسی معصوم پر تعدی نہ ہو۔

**رفع تعارض میں شارحین کی توجیہات کا تذکرہ:**

کبھی صاحب تکملہ اسلوب انداز میں علماء کی توجیہات پر اکتفاء کرتے ہیں اور اپنی رائے کو نہیں پیش کرتے ،جیسا کہ باب کیفیۃ بیعۃ النساء میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں:

"قالت کانت المومنات اذاهاجرن الی رسول اللہ ﷺ یمتحن یقول عزوجل ، یاایها النبی اذاجاء ک المومنات یبا یعنک علی ان لایشرکن باالله شیئا ولا

يسرقن و لايزنين الى آخر الاية قالت عائشه فمن أقربهذامن المومنات فقد اقر بالمحنة ، وكان رسول الله ﷺ اذا اقررن بذلک من قولهن ، قال لهن رسول الله ﷺ الطلقن فقد بايعتكن ، ولا والله مامست يدرسول الله يرامراة قط غير انه يبا يعهن باالكلام"[9]

یعنی جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے (مدینہ منورۃ) آپ ﷺ کے ہاں تشریف لاتیں تو آپ ﷺ ان سے اللہ کے قول کے مطابق شرک نہ کرنے، برائی نہ کرنے، چوری نہ کرنے پر بیعت لیتے اور اس بیعت کے عمل میں، کبھی بھی آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں دیکھا۔

اس باب کی مذکورہ حدیث مبارکہ اور دیگر طرق سے احادیث میں مہاجرہ مومنہ عورتوں سے بیعت کا ذکر ہے، اس بیعت کے وقت اقوال واقرار کا ذکر کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ کیفیت بیعت کو بھی زیر بحث لایا گیا، جس میں "مامست يد رسول الله ﷺ يدامراة قط "یعنی آپ ﷺ کا دست مبارک قطعاً کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا، صاحب تکملہ کہتے ہے اس کیفیت کا ذکر امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ نے امیمہ بنت رقیقہؓ سے ان الفاظ میں کیا ہے:

"بايعت رسول الله ﷺ فی نسوة فقال لنا فيما استطعتن واطقتن قلت الله و رسوله ارحم بنا منابانفسنا فقلت يارسول بايعناقال سفيان تعنى صافحنا فقال رسول الله ﷺ انما قولى لماءة امراة كقولى لامرأ ة واحدة"[10]

یعنی ہم عورتوں سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی ہم میں ہماری طاقت اور قوت کے مطابق میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہم پر مہربانی والا معاملہ فرمائیں میں نے کہا ہم نے بیعت کی ،سفیان کہتے مصافحہ کیا آپ نے فرمایا میری بات سو عورتوں اور ایک کے لیے برابر ہے۔

صاحب تکملہ کہتے ہیں اس میں ظاہری تعارض موجود ہے جیسا کہ ابن خزیمہؒ، ابن حبانؒ اور البزارؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ام عطیہؓ کہتی ہیں آپ ﷺ کا ہاتھ گھر سے باہر ہوتا اور ہم عورتیں گھر کے اندر ہاتھ کھولتیں، اس کا جواب دو وجوہات پر مبنی ہے، یہاں محض بیعت کا بیان کرنا مقصود ہے یعنی ہم عورتیں بیعت پردہ میں کرتی تھیں۔ اس سے مصافحہ مستلزم نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ بیعت ہوتی ہی پردہ میں تھی جیسا کہ ابودرداؓ کی روایات میں ہے بیعت کے وقت درمیان میں کپڑا ہوتا تھا جس کے ذریعے بیعت

ہوتی ہے مصافحہ نہیں ہوتا تھا اس کے علاوہ علماء نے آپ ﷺ کا برتن میں انگلیاں ڈبو کر پھر اسی برتن کو عورتوں کے مجمع میں بھیج کر بیعت کرنے کا بھی ذکر کیا ہے، اور اس کے علاوہ ابن سلامؒ نے عورتوں کی بیعت میں کپڑے کا بھی کاذکر کیا ہے۔[11]

### "نسخ" کے ذریعے رفع تعارض:

بعض اوقات صاحب تکملہ دو متعارض احادیث میں رفع تعارض کے لیے "نسخ" کا طریقہ اپناتے ہیں کہ ایک حکم کو وقتی حکمت پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ کتاب الاضاحی کے باب بیان "ماکان عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث "کی تمام روایات میں یہی خلاصہ ہے جو ابن عمرؓ کی اس روایت میں "انه قال لایاکل احد من لحم اضحیة فوق ثلاث "[12] یعنی تم میں سے کوئی بھی قربانی کا گوشت تین دن کے بعد نہ کھائے۔۔جب کہ اس باب کی تمام روایت کا خلاصہ حضرت جابرؓ کی اس روایت میں ہے :"انه نہی عن اکل لحوم الضحایا بعد ثلاث ثم قال بعد کلوا وتزودود ادخروا "[13] یعنی آپ ﷺ پہلے تین دن سے زیادہ میں منع فرمایا بعد میں آپ نے کھانے، ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی۔ صاحب تکملہ لکھتے ہیں احادیث معارض ہونے کی وجہ سے تین دن کے بعد کھانے اور جمع کرنے میں علماء کئی مذاہب رکھتے ہیں، بعض نہی کو ناسخ پر محمول کرتے ہیں یعنی پہلے روکا گیا پھر اجازت مرحمت فرمادی، بعض کے نزدیک نہی تنزیہی تھی نہ کہ تحریمی، بعض کے نزدیک علت عارضی پر نہی کو محمول کیا جائے جب علت مرتفع ہوگئی تو حکم بھی بدل گیا، اگر دوبارہ علت پائی گئی تو حکم پہلے والا لوٹ آئے گا، اس کے بعد صاحب تکملہ اپنی رائے کو بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ کا روکنا ولی کی حیثیت سے تھا شارع کی وجہ نہ تھا اور نہی تشریعی ہوتی تو صحابہ کرامؓ کے استفہام میں تعجب نہ ہوتا جیسا کہ حدیث الباب میں " وماذاک؟ "کے الفاظ ہیں اور جمع کرنا اس وقت جائز نہیں جب پڑوسی بھوکا ہو۔ کیونکہ پڑوسی کی حوائج ضروریہ کا خیال رکھنے میں بڑی تاکید آئی ہے اور اسی لیے اس گوشت کی بیع درست نہیں ہے۔ آپ ﷺ جب مدینہ منورہ کے مضافات میں دیہاتوں کو بھوکا دیکھا تو صحابہ کرامؓ کو فرمایا اب تمہارا جمع کرنا درست نہیں گوشت کو ان لوگوں میں تقسیم کردو، پہلا حکم منسوخ نہیں بعد والا حکم اباحت اور وقتی مصلحت پر مبنی تھا، گویا یہ حکم وقت اور شہر کے مخصوص حالات کے ساتھ مشروط ہے، جب فقراء اور حاجت مند بھوکے ہوگئے تو ولی لوگوں کو جمع کرنے سے روک کر ان کی حاجات کو پورا کرنے کے لئے

گوشت کی تقسیم کا حکم دے گا۔یہی وجہ ہے علماء جمہور کھانے کے حکم کو استحباب پر محمول کرتے ہیں جبکہ بعض وجوب پر محمول کرتے ہیں حالانکہ عدم وجوب پر پوری امت کا اجماع ہے۔[14]

صاحب تکملہ کی اس پوری بحث حاصل یہ ہے جن احادیث میں اجازتِ اکل ہے یہ اجازت استحباب پر مبنی ہے اور یہ استحبابی حکم بھی دائمی نہیں، حالات مخصوصہ کے پیش نظر پہلا حکم لوٹ سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اجازت تشریعی طور پر نہیں دی بلکہ ولی الامر کی وجہ سے دی ہے۔

**رفع تعارض میں لغت سے اعتناء اور مفاد حدیث کی تعیین:**

بعض مقامات پر صاحب تکملہ لغوی، اصطلاحی اور فقہی ابحاث کو ذکر کرتے ہوئے مختلف روایات کو پیش کرتے ہیں اور آخر میں مفاد حدیث کے عنوان سے اپنی رائے کو پیش کرکے ممکنہ تعارض کو رفع کردیتے ہیں جیساکہ باب من حق المسلم للمسلم رد السلام میں حضرت ابوھریرہؓ کی روایت میں ہے:

"قال رسول الله ﷺ خمس تجب للمسلم على اخيه ، رد السلام، تشميت العاطس واجابة الدعوة ، وعيادة المريض ، واتباع الجنائز"[15]

یعنی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب، چھینک کا جواب، مریض کی عیادت، قبول دعوت، اور جنازہ کے ساتھ چلنا۔اس حدیث مبارکہ میں تشمیت العاطس کے بارے امام نوویؒ کی رائے نقل کی گئی کہ السمیت، سین کے ساتھ ہے جس کا مطلب دعا ہے اور سین کو شین کے ساتھ بدل دیا گیا، اس کا مطلب اللہ سے رحمت طلب کرنا ہے، لیثؒ کہتے ہیں ہر چیز کے ذکر الٰہی کرنے کو تشمیت کہتے ہیں، ابن الانباریؒ کہتے ہیں ہر خیر کی طرف بلانے کو تشمیت کہتے ہیں۔[16]

فقہاء کے نزدیک فقہی اعتبار سے تشمیت کے تین درجے ہیں:

1. سنت علی الکفایہ ہے امام مالک اور امام شافعی کا مسلکؒ ہے۔
2. فرض عین ہے، اصحاب شوافع اہل ظاہر اور کچھ مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔
3. واجب علی الکفایہ ہے، علماء احناف اور جمہور کا مسلک ہے۔[17]

صاحب تکملہ ان فقہی اقسام پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ واجب کی دلیل یہی حدیث مبارکہ ہے جس کے الفاظ "فحق على كل مسلم سمعة ان يشمتته "کے ہیں یعنی ہر والے سننے پر مسلمان کا حق

ہے کہ وہ تشمیت کرے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "خمس تجب للمسلم علی المسلم "پانچ چیزیں ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان پر واجب ہیں۔ مسند احمد میں ہے" اذاعطس احدکم فلیقل الحمد لله ، ولیقل من عنده ، یرحمک الله" جب چھینک والا الحمد للہ کہے تو پاس والے کو یرحمک اللہ کہنا چاہیے، ان کثیر روایات کی بناء پر فقہاء نے واجب قرار دیا ہے مگر شریعت میں بہت ساری ایسی چیزیں بھی ہیں جہاں کثرت روایت کے ساتھ کفایہ کا درجہ دیا گیا جیسا کہ ردالسلام کا مسئلہ ہے۔ اس میں سلام کا جواب وجوب علی الکفایہ باالاتفاق ہے۔ اس کے آداب میں سے ہے آواز کو اپنی کوشش سے پست رکھا جائے اور منہ پر ہاتھوں کو رکھا جائے، دائیں یا بائیں گردن کو نہ پھیرا جائے تاکہ ارد گرد والوں کو تکلیف نہ ہو، ابوداؤد اور ترمذی میں سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ چھینک کے وقت اپنی آواز کو پست رکھتے تھے اور ہاتھ منہ پر رکھتے تھے، پھر چھینک والا تحمید کہے تو جواب واجب ہے وگرنہ نہیں، کافر کی چھینک پر جواب میں کیونکہ وہ کافر ہے اور کافر کے لیے ہدایت کی دعا کہے جیسا ابوداؤد میں ہے یہودیوں کو چھینک پر الحمدللہ کہنے پر آپ "یهدیکم الله ویصلح بالکم "یعنی اللہ تم کو ہدایت دے اور تمہارے اعمال درست کرے کہتے تھے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں جب آدمی کو بار بار چھینک آئے، پس سنت یہ کہ ہر مرتبہ اس کا جواب دیا جائے یہاں تک کہ تین مرتبہ تک، اس لیے کہ صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی سلمۃ بن الاکوعؓ سے روایت ہے تو انہوں نے آپ ﷺ سے سنا، ایک آدمی سے آپ ﷺ نے چھینک کے وقت الحمدللہ سنا تو جواب میں یرحمک اللہ کہا، پھر ایسا کرنے پر آپ نے کہا اس کو زکام ہے، امام بخاریؒ ادب المفرد میں ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں ایک، دو اور تین کے بعد زکام کا ذکر ہے، مؤطا امام مالک میں مرفوعا ذکر ہے "ان عطس فشمه ، ثم عطس فشمه ثم ان عطس فقل انک مضونک " جبکہ ابن ابی شیبہ طریق عمرو بن العاصؓ سے نقل کرتے ہیں" شمتوه ثلاثا" فان ذارفهو یخرج منه "یعنی تین سے زائد ہو پھر مرض ہے۔[18]

صاحب تکملہ کہتے ہیں ہمیں ایک ہی چیز کے بارے صحابہ کرامؓ سے مختلف روایات کے ساتھ ایک، دو، تین کا عدد مل رہا ہے۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہے کہ احادیث کو تین پر محمول کیا جائے، حضرت سلمۃ بن الاکوعؓ کی روایت کا مفاد ایک کے بعد زکام پر محمول کرنے میں احتمال ہے کہ آپ ﷺ کو پہلے کے بعد

مرض کا پتہ چل گیا تھا اور دو والی روایت میں دو کے بعد اور تین والی روایت میں تین کے بعد آپ کو مرض کا علم ہو گیا، اس رفع تعارض میں خود ہی لکھتے ہیں:

"ولعل هذا احسن مايجمع به بين الاحاديث ولم اره صريحا والله اعلم"[19]

یعنی اور شاید احادیث کو اس طرح جمع کرنا سب سے بہتر ہے اور میں نے کسی جگہ اس طرح نہیں دیکھا و الله اعلم ۔ صاحب تکملہ تمام روایت کو مفاد میں لاتے ہوئے صحیح اور درست قرار دیتے ہیں مگر اس کا جمع کرنا، اسی ہی صورت میں جب احتمال کے ذریعے مریض کی حالت کو نہ ذکر کیا جائے۔

**رفع تعارض میں روایات کا حکم اصلی اور باطل نظریات کا رد:**

بعض دفعہ صاحب تکملہ رفع تعارض میں روایات کے معانی و مفاہیم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان باطل گروہ کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں جو تعارض کی وجہ ان روایات کا سہارا لیتے ہوئے اُمت کے متفقہ عقائد میں تفریق ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ باب اثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته میں ابو حازمؓ کی روایت میں ہے:

" قال سمعت سهلا يقول سمعت النبى ﷺ يقول انا فرطكم على الحوض، من ورد شرب، ومن شرب لم يظمأ ابدا، وليردن على اقوام اعرفهم ويعر فونى ، ثم يحال بينى وبينهم"[20]

یعنی میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ ، میں حوض پر خود پانی پیش کروں گا، وہاں سیراب ہونے والا بعد میں کبھی پیاسا نہ رہے گا، اور کچھ میری پہچان والے لوگوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا۔

صاحب تکملہ اس حدیث مبارکہ کے الفاظ "وليردن على اقوال اعرفهم ويعر فوننى "کا حاصل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں حوض پر آنے والے افراد کو روک دیا جائے گا، ان افراد سے رسول اللہ ﷺ کو شناسائی ہو گی، آپ ﷺ کی چاہت ہو گی یہ افراد حوض پر پانی پئیں ، لیکن یہ کہہ کر ان افراد کو روکا جائے گا، آپ ﷺ کو ان کے اعمال سیۂ کی خبر نہیں جو انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کیے ، پھر آپ ﷺ ان سے سحقا سحقا کہتے ہوئے برأت کا اعلان کریں گے۔ اس معنی میں دیگر روایات کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔

سہل بن سعدؓ کی روایت میں ہے:"لیردن علی اقوام اعرافھم ویعرفونی،ثم یحال بینی وبنھم"[21]یعنی میری طرف آنے سے ایسے لوگوں کو روک دیا جائے گا۔ میں انہیں اور وہ مجھ کو پہچانتے ہوں گے پھر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی۔ حدیث ابو سعید الخدریؓ میں ہے :"انھم منی ، فیقال ، انک لاتدری ماعملوابعدک "[22]یعنی بے شک وہ مجھ سے ہوں گے، کہا جائے گا آپ کو خبر نہیں انہوں نے بعد میں کیا کیا؟

حدیث اسماء بنت ابو بکرؓ میں ہے :

"انی علی الحوض حتی انظر من یعرف علی منکم ، وسئیو خذاناس دونی فاقول یارب فی ومن اُمتی فیقال اما شعرت ماعملوابعدک واللہ مایرجوا بعدک یرجعون علی اعقابھم"[23]

یعنی میں اپنے حوض پر کچھ لوگوں کو تم میں سے دیکھوں گا، میرے قریب آنے سے روک لیے جائیں گے میں کہوں گا اے میرے رب میری اُمت! کہا جائے گا آپ ﷺ کو کیا خبر انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا؟ اللہ کی قسم مجھے اُمید نہ تھی تم میرے بعد اس طرح بدل جاؤ گئے۔

حدیث عائشہ صدیقہؓ میں ہے:

"انی علی الحوض انتظر من یرد علی منکم ، فواللہ لیقطعن دونی رجال ، فلاقولن ایی رب منی ومن اُمتی ، فیقول انک لاتدری ماعملوا بعد ک ، مازالوا یرجعون علی اعقابھم " [24]

یعنی میں اپنے خوص پر دیکھوں گا کچھ لوگ تم میں سے وہاں آنے سے روک دیئے جائیں گئے۔ میں ضرور کہوں گا اے میرے رب مجھ سے، میری اُمت سے ہیں۔ پس بتلایا جائے گا۔ آپ نہیں جانتے ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ یہ لوگ واپس پہلے دین پر پلٹ گئے۔

حدیث اُم سلمہؓ میں ہے:

"انی لکم فرط علی الحوض، فایای لایاتین احدکم فیذب عنی کما یذب البعیرالضال فاقول فیم ھذا؟ فیقال انک لاتدری مااحد ثوابعد ک فاقول سحقا"[25]

یعنی میں تم سے پہلے حوض پر گا، پس تم کو مجھ سے اس طرح دور کیا جائے گا جیسے بہکا ہوا اُونٹ، میں کہوں گا کیا معاملہ ہے، کہا جائے گا آپ کو خبر نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ میں کہوں گا سحقا۔

حدیث عبداللہ بن مسعودؓ میں ہے:

"افر طکم علی الحوض ، ولا نازعن اقواما، ثم لا غلبن علیهم ، فاقول یارب اصحابی ، اصحابی ، فیقال انک لاتدری ما احد ثوابعد ذلک "[26]

یعنی میں حوض پر پہلے سے موجود ہوں گا، کچھ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے وہ غالب آجائیں گئے، میں کہوں گا، اے میرے رب میرے صحابہ، کہا جائے گا آپ کو خبر نہیں انہوں نے آپ ﷺ کے بعد دین میں کیا کچھ کیا ہے۔

حدیث انس بن مالکؓ میں ہے:

"لیردّن علی الحوض رجال ممن صاجی، حتی اذا رایتهم ورفعوا الیّ اختلجوا دونی ، فلا قولن ای رب اصحابی ، اصحابی فلیقالن لی انک لاتدری ماا حد ثوابعد ک "[27]

یعنی میرے ساتھیوں کو حوض سے دور کیا جائے گا۔ مجھ سے الگ کیا جائے گا، میں کہوں گا، اے میرے رب، میرے صحابہ، میرے صحابہ، مجھے بتلایا جائے گا آپ ﷺ کو خبر نہیں انہوں نے آپ ﷺ کے بعد دین میں کیا کیا؟

صاحب تکملہ لکھتے ہیں ان روایت کی روشنی میں ان لوگوں کو متعین کرنا جن کو حوض سے روکا جائے، بہت سارے تعارض پیدا کرتا ہیں۔ لہٰذا ہم ان روایات کی روشنی میں چند اقوال ذکر کرتے ہیں۔

1) عہد سیدنا ابو بکر صدیقؓ میں مرتد ہونے والے لوگ ہیں۔ اس قول کو اکثر شراح حدیث نے اختیار کیا ہے، جس کی تائید حدیث اسماءؓ اور حدیث ابوہریرہؓ سے ہوتی ہے۔ جس کی وضاحت امام بخاریؒ کی اُس روایت سے ہوتی ہے جس میں حدیث کا راوی اسماعیل خود اس کی وضاحت کرتا ہے اور اس وضاحت سے حدیث اپنے معنی میں متعین ہو جاتی ہے۔ اصل اشکال روایت میں موجود لفظ اصحابی سے جنم لیتا ہے کیونکہ مرتدین کو صحابی نہیں کہا جا سکتا ہے، ممکن ہے اس کا جواب یہ دیا جائے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں مسلمان تھے، پس اگر آپ ﷺ کو ان کے ارتداد کا علم نہیں تھا یا

بعض کا علم تھا یا اولاً علم تھا مگر حوض کے پاس اُمت پر فرط شفقت سے بھول گئے، پس جب آپ ﷺ کو یاد دلایا جائے گا تو آپ ان سے برأت فرمادیں گے۔[28]

2) عہد رسول اللہ ﷺ کے منافقین ہیں، صحابی کا لفظ ان کی ظاہری حالت کی وجہ سے بولا گیا ہے، حدیث مبارکہ کے یہ الفاظ" انک لاتدری ماأحد ثوابعدک" یعنی آپ ﷺ کو خبر نہیں اُنہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ اس بات پر واضح دلیل ہے، آپ ﷺ کے عہد میں سارے صحابہ کی مقدس جماعت میں شامل تھے، آپ ﷺ کے وصال کے بعد ان ایسے قبیح فعل کئے، نفاق کھل کے سامنے آگیا، قیامت کے دن حوض پر آنے سے روک دیا جائے گا۔[29]

3) کبیرہ گناہ کرنے والے اور اہل بدعت ہیں جن کو اسلام پر موت آئی، پہلے عقوبۃً روکا جائے گا، پھر رحمت والا معاملہ ہوگا، مگر اس توجیہ پر اعتراض وارد ہوگا، حدیث میں لفظ صحابی ہے اور یہ لوگ صحابہ نہیں ہیں، ان کا ظہور وفات رسول ﷺ کے بعد ہوا، اس کا جواب یہ ہے یہاں صحابہ کا لفظ عمومی معنی میں ہے۔[30] صاحب تکملہ لکھتے ہیں ان تمام توجیہات میں سے سب سے بہترین پہلی توجیہ ہے جن میں عہد ابو بکرؓ کے مرتد مراد لیے گئے ہیں، ان روایات کی بناء پر اہل روافض کا عقیدہ بالکل بے بنیاد ہے، جو صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو وفات نبی ﷺ کے بعد نعوذ باللہ مرتد ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ عقیدہ باطل ہے،،بہت کمزور اور بے بنیاد عقیدہ ہے، سیاق حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہے جن لوگوں کو حوض سے روکا جائے گا وہ عدد میں بہت تھوڑے ہوں گئے، حدیث مبارکہ کا لفظ "اصحابی" تصیغر کیساتھ ہے یعنی تھوڑے لوگ، ہم صحابہ کی مقدس جماعت کے بارے کیسے فیصلہ کرلیں وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بدل گئے، جب کہ قرآن کریم اور حدیث مبارکہ میں صحابہ کرام کے بے شمار مناقب بیان کئے گئے ہیں۔[31]

**متعارض روایات میں تطبیق اور مولانا عثمانی کا اجتہاد:**

بعض دفعہ صاحب تکملہ متعارض روایات کی صحت سند اور متن روایات کی توضیح کے پیش نظر علماء کی مختلف علمی توجیہات کو پیش کرتے ہوئے ان میں سے ایک کو وقتی ضرورت پر محمول کرتے ہیں، جیسا کہ حدیث الباب میں حضرت انسؓ کی روایت ہے:

"عن انسؓ ان النبی ﷺ زجر عن الشرب قائما"[32]

یعنی حضرت انس کہتے ہیں آپ ﷺ نے کھڑا ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ ”زجرعن الشرب “ پانی پینے کی حالت کیسی ہو؟ اس عنوان پر احادیث مختلفہ کثرت سے ہیں، بعض روایات میں حدیث الباب کی طرح کھڑے ہو کر پانی پینے سے ممانعت آئی ہے۔

حدیث ابوہریرہؓ میں ہے:

" لویعلم الذی یشرب وهو قائم لاستقاء"[33] یعنی کھڑے کر ہو پینے والے سے قے کرنے کی خواہش کی گئی۔ حدیث ابوہریرہ ہے :"انه ﷺ رای رجلا یشرب قائما فقال قه قال لمه قال أیسرک ان یشرب معک الهر؟قال لا قال قد شرب معک من هو شرمنه الشیطان "[34]

یعنی آپ ﷺ نے آدمی کو کھڑے پانی پیتے دیکھ کر فرمایا قے کرو اس نے پوچھا کیوں تو ارشاد فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو تمہارے ساتھ کتا پیئے؟ کہنے لگا نہیں، تو فرمایا تو اس سے بھی ناپاک شیطان تمہارے ساتھ شامل تھا۔ ترمذی شریف کی روایت ہے: "ان النبی ﷺ نهی عن الشرب قائما "[35] یعنی آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا ہے۔

صاحب تکملہ کہتے ہیں اسی طرح کھڑے ہو کر پینے میں بھی بہت سی احادیث ہیں۔

1. "شرب رسول الله من ماء زمزم قائما "[36] یعنی آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے آب زم زم پیا۔
2. "عن علیؓ انه اتی علی باب الرحبة بما فشرب قائم فقال ان ناسایکره ، احدهم ان یشرب وهو قائم، وانی رایت النبی ﷺ فعل کما رأیتمونی فعلت"[37] یعنی حضرت علیؓ باب الرحمۃ پر تشریف لائے کھڑے کھڑے پانی پیا اور فرمایا اس طرح کرنے کو لوگ ناپسند سمجھتے ہیں جبکہ میں نے آپ ﷺ کو ایسے ہی پانی پیتے دیکھا جیسا تم مجھ کو دیکھ رہے ہو۔
3. "من حدیث ابن عمرؓ کنا ناکل علی عهد رسول الله ﷺ ونحن نمشی ونشرب ونحن قیام"[38] یعنی ابن عمرؓ کی روایت میں ہم عہد رسول اللہ ﷺ میں ہم چلتے، کھڑے کھاتے پیتے تھے۔

4. "اخرج ترمذیؒ قال : رأیت رسول اللہ ﷺ یشرب قائما و قاعدا "[39] امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں صحابہ کرامؓ نقل کرتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے بیٹھے پیتے دیکھا ہے۔

5. امام مالکؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب مؤطا میں خلفائے راشدین میں تین خلفاء عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ اور عثمان بن عفانؓ کے بارے نقل کیا ہے کہ وہ کھڑے پیتے تھے ۔[40]

صاحب تکملہ نے مختلف الحدیث کی بناء پر رفع تعارض میں چھ مسلک بیان کئے ہیں:

1. احادیث جواز کو احادیث نہی پر ترجیح حاصل ہے۔
2. احادیث نہی احادیث جواز سے منسوخ ہو چکی ہیں، جس کا قرینہ خلفاء راشدین کا عمل ہے۔
3. احادیث جواز منسوخ ہیں احادیث نہی سے۔
4. احادیث نہی کو چلتے پھرتے کھانے پینے پر محمول کی جائیں گی۔
5. احادیث میں جواز موجود ہے مگر حالت قیام کو مکروہ پر محمول کیا جائے گا۔
6. احادیث نہی کو طبّی ضرر پر اور احادیث جواز کو اباحت پر محمول کیا جائے گا۔[41]

اس ساری بحث کے بعد صاحب تکملہ اپنے رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"والذی یظهر لهذا العبد الضعیف عفا الله عنه: أن الکر اهة فی المواقع التی یتیسر فیها محل للجلوس ، فاما اذالم یتسیر، أوکان فی الجلوس ، تکلف شدید فلاکراهة أیضاً، ویحتمل أن تکون أحادیث الشرب قائما متعلقة بمثل هذه المواقع کما عند زم، فانه ربما یشکل الجلوس هناک فکثرة الزحام والطین والله سبحانه اعلم"[42]

یعنی اس بندہ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ کراہت کا حکم پینے کی جگہ کیساتھ ہے پس جب بیٹھنے کی جگہ میسر نہ ہو یا بیٹھنے میں شدید تکلیف ہو تو پھر حکم کراہت بھی ختم ہو جاتا ہے۔ حالت قیام کا حکم انہی مواقع سے متعلق ہے جیسا کہ زمزم کے پاس بھیڑ اور رش کی وجہ بیٹھ کر پینے میں تنگی ہوتی ہے۔

**خلاصہ بحث:**

شارحینِ حدیث شرحِ حدیث کے دوران جہاں حدیث کے دیگر پہلوؤں مثلا الفاظ کی لغوی تشریح، مشکل الفاظ کا حل،ابواب کے درمیان باہم مناسبت، حدیث سے پیدا ہونے والے اشکالات اور ان کا حل،اختلاف روایات کا تذکرہ، فقہی اور کلامی مباحث وغیرہ کا خیال رکھتے ہیں تو وہیں احادیث میں بظاہر نظر آنے والے تعارض کو بھی حل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حوالے سے ہر شارح کا ذوق مختلف رہا ہے۔ مولانا تقی عثمانی نے بھی تکملہ فتح الملھم میں احادیث کے تعارض کو حل کرنے کا حد درجہ اہتمام فرمایا ہے ،احادیثِ مسلم کی شرح کرتے ہوئے جہاں کہیں احادیث میں باہم تعارض نظر آیا اسے منصہ شہود پر لاتے ہوئے بہترین طریقے سے حل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پیش رو شارحین سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مزید برآں ساری بحث کے آخر پر زیادہ تر اپنا تبصرہ ضرور ذکر کرتے ہیں جس سے قاری کے لیے الجھی ہوئی بحث سے نتیجے تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے ، اگر یوں کہا جائے کہ کسی بحث کے آخر پر ان کا تبصرہ ہی اسی بحث کا لب لباب ہوتا ہے تو مبالغہ نہ ہو گا۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ متعارض احادیث ، صحیح مسلم سے ہی نہیں ہوتی بلکہ احادیث کی مختلف کتب میں موجود ہوتی ہیں یا متعارض حدیث کے ہم معنی کوئی روایت کسی اور حدیث کی کتاب میں ہوتی ہے مولانا تقی عثمانی ایسے مقامات پر ان تمام احادیث کو تلاش کر کے ان کی سند پر بحث کرتے ہوئے پیدا شدہ تعارض کو حل کرتے ہیں۔ یہ وہ طریق ہے جس سے اس علم پر ان کی وسعت نظری، دلچسپی اور دسترس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا تقی عثمانی نے متعارض احادیث کے رفع کے دوران جو اسلوب اختیار فرمایا ہے بظاہر وہ محدثین کا ہی معلوم ہوتا ہے کہ محدثین عام طور پر تطبیق کے پہلو کو زیادہ ترجیح دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے کہیں بھی اصولیین کی طریقے کو اختیار کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

---

# حواشی وحوالہ جات

1 مفتی محمد تقی عثمانی تین اکتوبر ۱۹۴۳ء میں ضلع سہارنپور کی دیوبند نامی بستی میں عثمانی خاندان میں پیدا ہوے جو کہ تقوی اور علمی رسوخ کی وجہ سے اہل علم کی نظر میں انتہا ئی قدر سے دیکھا جاتا تھا، آپ کے والد مکرّم مفتی محمد شفیع دار لعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور مفتی تھے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں والد اور والدہ کے زیر سایہ حاصل کی اور پھر جس سال دار لعلوم کراچی کی تاسیس تکیل کو پہنچی تو آپ یہاں داخل ہو گئے ۱۹۶۰ء میں درس نظامی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ علوم عصریہ میں معاشیات اور سیاسات میں بی کام کی سند جامعہ کراچی سے ۱۹۶۴ء میں حاصل کی پھر اسی طرح ۱۹۶۷ء میں ایل ایل بی کی سند بھی مذکورہ جامعہ سے ہی حاصل کی۔ ۱۹۷۰ء میں جامعہ پنجاب لاہور سے علوم عربیہ ایم اے کی سند حاصل کی ۔آپ کی عملی زندگی علمی زندگی سے اس طرح ملی جلی نظر آتی ہے جس طرح روح جسم کے رگ رگ میں بسی ہوتی ہے ۔آپ کے اعمال علمی دائرے سے باہر نہیں نکلتے اور آپ کی تعلیم ،تدریس ،تالیف ،دعوت وارشاد کی صورت میں ہمیشہ کار بند رہتے ہیں اور آپ کی سب سے نمایاں خدمات فتاوی اور فتاوی کی چھان بین ،تالیف اور ملک اور بیرون ملک میں قوانین اور اسلامی معشیت کی بحالی ہے اور مقامی اور ملکی سطح پر قیمتی مباحث کا پیش کرنا ہے اور ان کے علاوہ صحافت اور تبلیغی اسفار بھی ہیں۔ آپ کا شمار عصر حاضر میں کثیرۃ التصانیف علماء میں ہوتا ہے، آپ کی تصانیف وتالیفات کو مصدر و مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ اس وقت دار لعلوم کراچی میں درس نظامی کی سب سے بلند سطح شیخ الحدیث کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں، اور جامعہ کے ترجمان رسالہ "البلاغ" کے مدیر اعلی بھی ہیں۔ سود سے پاک بینکاری میں متعدد بینکوں کے شرعی نگران بھی مقرر ہیں۔ آپ کے سابقہ مناسب میں طویل فہرست ہے جس میں سب سے اہم منصب جسٹس آف سپریم کوٹ پاکستان شریعت اپیلیٹ بینچ ۱۹۸۲ءتا۲۰۰۲ء ہے۔

2 مسلم، مسلم بن حجاج، القشیری، الجامع الصحیح، کتاب الذکر والدعاء، باب تمنی کراھیۃ الموت۔

3 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الذکر والدعاء، باب من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ۔

4 تقی عثمانی، محمد، مفتی، تکملہ فتح الملہم (کراچی: مکتبہ دار العلوم، ۱۹۹۴ء)، ۵، ۴۵۔

5 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب النھی عن لعن الدواب وغیرھا۔

6 حوالہ بالا۔

7 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۵، ۴۰۹۔

8 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۵، ۵۱۰۔

9 مسلم، الجامع الصحیح، باب کیفیۃ بیعۃ النساء۔

10 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۳، ۳۷۹۔

11 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۳، ۳۸۰۔
12 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الاضاحی، باب بیان ماکان عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث۔
13 حوالہ بالا۔
14 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۳، ۵۷۷۔
15 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام۔
16 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۴، ۲۳۰۔
17 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۴، ۲۴۶۔
18 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۴، ۲۴۶۔
19 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۴، ۲۴۷۔
20 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب حوض اثبات نبینا۔
21 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۴، ۴۴۹۔
22 حوالہ بالا۔
23 حوالہ بالا۔
24 حوالہ بالا
25 حوالہ بالا
26 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۴، ۵۰۰۔
27 حوالہ بالا۔
28 حوالہ بالا۔
29 حوالہ بالا۔
30 حوالہ بالا۔
31 حوالہ بالا۔
32 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الاطعمۃ باب آداب الاکل والشرب واحکامھا۔
33 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۴، ۹۔
34 عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۴، ۱۰۔
35 حوالہ بالا۔

[36] حوالہ بالا۔

[37]حوالہ بالا۔

[38] حوالہ بالا۔

[39] حوالہ بالا۔

[40] حوالہ بالا۔

[41] حوالہ بالا۔

[42]عثمانی، تکملہ فتح الملہم، ۴، ۱۱۔